بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

TALIM - UL - ISLAM COLLEGE RABWAH

عِلۡمٌ و عَمَلٌ

اپریل 2012ء

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 4

مدیر: مقصود الحق — نائب مدیر: مبارک احمد صدیقی — مینیجر: سید نصیر احمد

فرمان الٰہی

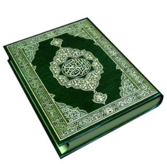

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا وَّیُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۹﴾ (سورۃ الانفال)

ترجمہ: اے مومنو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہارے لئے ایک بڑے امتیاز کا سامان پیدا کر دیگا اور تمہاری کمزوریوں کو دور کر دیگا اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ اللہ تعالیٰ اس انسان سے محبت کرتا ہے جو تقویٰ شعار ہو، بے نیاز ہو، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو۔ (مسلم کتاب الزہد والرقاق حدیث نمبر 7621)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ جب وہ دیکھے کہ میں گناہ میں پڑتا ہوں تو دعا اور تدبیر سے کام لیوے ورنہ نادان ہوگا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا۔ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق: 3-4) جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہر ایک مشکل اور تنگی سے نجات کی راہ اس کے لئے پیدا کر دیتا ہے۔ متقی درحقیقت وہ ہے کہ جہاں تک اس کی قدرت اور طاقت ہے وہ تدبیر اور تجویز سے کام لیتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 486-487)

فیس بک Facebook

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ جرمنی میں 27 جون 2011ء کو اسٹونیا لیتھوانیا اور ہنگری کے وفد سے ملاقات کے دوران ہنگری سے آنے والے ایک میڈیکل کے طالب علم Pauki Demeter نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے Facebook کے بارے میں دریافت کیا:۔

حضور انور نے فرمایا:۔ Facebook کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ یہ انسان کی ذاتی زندگی میں فساد پیدا کر سکتا ہے بعض لوگوں نے میرے نام پر بنا دیا تھا۔ اس کو میں نے غلط کہا تھا۔ اس کو حرام قرار نہیں دیا اور Ban نہیں کیا۔ جماعت نے اپنی Facebook ''الاسلام'' پر بنائی ہوئی ہے جو دینی ضرورت پوری کر رہی ہے۔ دین کی اشاعت کر رہی ہے۔

حضور نے فرمایا باقی جہاں تک اس کے عمومی استعمال کا تعلق ہے تو اس کی وجہ سے لوگوں کے تعلقات و گھر برباد ہو رہے ہیں اور لوگوں کے ننگ ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی برائیاں ہر ایک نوٹ کرتا رہے اور عیاشی حاصل ہو۔ نیک مقصد حاصل نہ ہو۔ حضور انور نے فرمایا۔ اس Facebook نے صرف انفرادی طور پر ہی لوگوں کا امن برباد نہیں کیا بلکہ اس نے حکومتوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔

(الفضل 27 جولائی 2011ء صفحہ نمبر 4)

ہماری ایسوسی ایشن کا فرض

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''میں سمجھتا ہوں ایسوسی ایشن اگر اپنے ممبران سے مستقل رابطہ رکھے اور ممبران خود بھی ایک جذبہ کے تحت اپنی اس درسگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو احمدی بچوں کے لئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

(الفضل ربوہ 13 اکتوبر 2011ء)

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے کے زیر اہتمام

یادگار تقریب اور عشائیہ

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بنفس نفیس شرکت اور خطاب

ناصر ہال۔ بیت الفتوح لندن۔ 18رفروری: ٹی آئی کالج اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے کی سالانہ تقریب مورخہ 18رفروری 2012ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ناصر ہال بیت الفتوح میں منعقد ہوئی۔ اس مقصد کے لئے ناصر ہال کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ اس تقریب میں تعلیم الاسلام کالج کے سابق طلباء کے علاوہ دیگر معزز مہمانوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا جن میں مکرم و محترم رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت احمدیہ برطانیہ، نائب امراء، مرکزی عاملہ کے ممبران ریجنل امراء ریجنل مبلغین وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے والے طلباء کو یہ اجازت بھی دی گئی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو بھی اس تقریب میں لا سکتے ہیں۔

آج کی تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بنفس نفیس شمولیت فرمائی اور حاضرین کو اپنے خطاب اور زرّیں نصائح سے نوازا۔ حضور انور کی آمد سے قبل بعض ممبران نے سٹیج پر آ کر کالج کے زمانے کی یادیں تازہ کیں اور اُس دَور کے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات سُنائے۔ مکرم افضل ترکی صاحب نے کالج اور ربوہ کے بارے میں اپنا کلام بھی سنایا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی آمد پر تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مکرم سید نصیر احمد شاہ صاحب نے تلاوت قرآن کریم کی اور اس کا ترجمہ پیش کیا۔ اس کے بعد مکرم و محترم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن و صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے نے مختصر رپورٹ پیش کی۔ محترم صدر صاحب نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کی روشنی میں ہماری ایسوسی ایشن کام کر رہی ہے۔ دوران سال اجلاسات منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اب تک اللہ کے فضل سے 208 طلباء رجسٹر ہو چکے ہیں اور یہ کام جاری ہے۔ ای گزٹ ''المنار'' باقاعدہ طور پر ہر مہینے شائع ہو رہا ہے اور تمام ممبران کو ای میل کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مستحق طلباء کی مدد کے لئے ایسوسی ایشن کے ممبران کی طرف سے دو لاکھ روپے کی رقم بھی ادا کی گئی ہے۔

اس کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جملہ حاضرین سے مختصر خطاب فرمایا۔

حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ ابھی مَیں دیکھ رہا تھا کہ تعلیم الاسلام کالج کے اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے لیٹر ہیڈ پر ایک کونے میں جو لوگو دیا گیا ہے وہ علم و عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ طلباء جنہوں نے تعلیم الاسلام کالج سے تعلیم حاصل کی خواہ انہوں نے وہاں سے تعلیم مکمل کی یا نہیں کی لیکن ایک ایک چیز جو تعلیم الاسلام کالج میں ہر طالب علم سیکھتا اور اس کے کردار کا حصہ بن جاتا ہے وہ اخلاق کا علم ہے۔ ہر طالبعلم اپنے اساتذہ سے اعلیٰ اخلاق سیکھ کر اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ مَیں کالج میں رہا ہوں جہاں تک مَیں نے دیکھا ہے وہاں اعلیٰ اخلاق پر زور دیا جاتا تھا۔ وہاں اپنی دینی کلاسیں بھی لگتی تھیں۔ غیر از جماعت بھی پڑھتے تھے لیکن ایک چیز جو کالج کا ہمیشہ سے طرّہ امتیاز رہا ہے جب تک وہ نیشنلائز نہیں ہوئے، وہ یہ ہے کہ طلباء میں اخلاقی قدریں قائم کی جاتی تھیں۔ ٹیوٹوریل گروپ ہوتے تھے۔ صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اور دیگر اساتذہ ہوتے تھے جو اخلاق اور معاشرہ میں رہنے کے طریقوں پر زور دیا کرتے تھے۔ اکثر طلباء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک بڑا حصہ طلباء کا ایسا ہے جنہوں نے ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بہت بڑا علم ہے۔ لیکن علم حاصل کر کے اگر انسان میں تکبر پیدا ہو جائے، اخلاقی قدروں پر عمل نہ کرنے والا ہو تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ علم بھی وہی کام دیتا ہے جس کے ساتھ اعلیٰ اخلاق ہوں۔ یہی ایک بات ہے جس کو پیدا کرنے کے لئے ہمارے اساتذہ کی طرف سے کوشش کی جاتی تھی۔ یہی چیز ہے جو آج ہمیں اپنے ماحول میں جاری کرنی چاہئے۔ وہ روحانی قدریں ہیں جو اسلام نے، احمدیت نے ہمیں سکھائیں۔ ان اخلاق پر عمل اور آگے اپنی نسلوں کو اس پر قائم کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اگر ہم یہ کر لیں تو انشاء اللہ ہم دنیا کے دل جیتنے والے بن جائیں گے۔ حضور انور نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنانے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اپنے علم کو صیقل کرنے کے لئے ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو اعلیٰ اخلاق کی صورت میں ہم نے سیکھے یا ہمیں سکھائے اور بتائے گئے اور ان باتوں کو ہمیں اپنی نسلوں میں بھی جاری کرنا چاہئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں ٹی آئی کالج سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر مکرم عطاء المجیب صاحب راشد کی رپورٹ کے حوالہ سے فرمایا کہ انہوں نے کہا ہے کہ 208 طلباء کی رجسٹریشن ہو گئی ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق بہت سے ایسے ہیں جو جماعتی ذیلی تنظیموں کا حصہ ہیں لیکن آپ کی ایسوسی ایشن کے ممبر نہیں ہیں۔ بعض کو آپ جانتے ہوں گے ان کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ عذر پیش کیا کہ جس شخص نے مجھے اجلاس میں آنے کے لئے کہا تھا اس کا نام الیکشن میں پیش ہونا تھا اور مجھے اس کو ووٹ دینا پڑتا تھا جو مَیں اسے نہیں دینا چاہتا۔ اس لئے مَیں اجلاس میں نہیں آ رہا۔ حضور نے فرمایا کہ جرأت تو اس بات میں ہے کہ اجلاس میں شامل ہوں اور پھر اگر سمجھتے ہیں کہ کوئی ووٹ کا اہل نہیں تو اسے ووٹ نہ دیں۔

حضور نے دعا کی کہ اللہ کرے یہ ایسوسی ایشن آگے بڑھتی چلی جائے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ہم سب اکٹھے ہوں۔ احمدی بھی اور تعلیم الاسلام کالج کے غیر از جماعت طلباء کو بھی ڈھونڈ کو نکالنا چاہئے۔ اس ماحول میں وسعت پیدا ہوگی اور اس سے جہاں تعارف بڑھے گا وہاں بہت سے غلط فہمیاں جو دور رہنے کی وجہ سے یا ماحول کے زیر اثر یا مُلّاں کی غلط باتوں کے زیر اثر پیدا ہوگئی ہیں وہ بھی دور ہو جائیں گی۔ جب وہ دیکھیں گے کہ باوجود اس کے احمدیوں پر ظلم ہو رہے ہیں، ان کے حق غصب کئے جا رہے ہیں پھر بھی احمدیوں کا کردار وہی ہے اور ان لوگوں میں وہ نرمی اور پیار اور محبت ہے جو اس ادارہ کا خاصّہ تھا۔ اس سے ان کی نسلوں میں احمدیت کے تعارف میں وسعت پیدا ہوگی اور اس طرح پر تبلیغ کے راستے بھی کھلتے ہیں۔

حضور انور نے فرمایا کہ مقصد یہی ہے کہ ہمارے ادارے کا جو خاص امتیاز تھا یعنی اعلیٰ اخلاق اور ان پر عمل کرنے کی کوشش اور اپنے ماحول میں اس کو پھیلانا اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ قریب کرنا وہ قائم رہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ پھر جو احمدی طلباء پاکستان میں آج کل پڑھ رہے ہیں۔ وہاں فیسیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ جماعت کروڑوں روپے ان پر خرچ کرتی ہے۔ یہاں جو لوگ بہتر حالات میں ہیں ان کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہئے اور ان غریب بچوں کا خیال رکھیں اور امداد طلباء کی مدّ میں جو دے سکتے ہیں وہ دیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختصر خطاب کے بعد آخر پر دعا کروائی۔ اس کے بعد نماز عشاء کے لئے وقفہ ہوا۔ نماز کے بعد حاضرین کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا گیا جس کے بعد ایسوسی ایشن کے عہدیداران اور جملہ ممبران نے حضور انور ایدہ اللہ کے ساتھ تصاویر بنوانے کی سعادت حاصل کی۔

(الفضل انٹرنیشنل 23مارچ 2012ء)

جستہ جستہ
عبدالمجید سالک اور پطرس

پطرس بخاری

عبدالمجید سالک اور پطرس بخاری اُردو ادب کے درخشاں ستارے ہیں اور مزاحیہ ادب میں بھی دونوں کا بڑا نام اور بڑا مقام ہے۔ المنار کے فروری کے شمارے میں انکے لطائف پڑھ کر جہاں لُطف آیا وہاں اُنکے دوسرے لطائف بھی یاد آ گئے چنانچہ خیال آیا کہ آپکو بھجوادوں تا کہ دوسرے بھی محظوظ ہوں۔

ایک دفعہ شہر میں پانی کی قلّت ہوگئی اور پانی حاصل کرنا مشکل اور جوئے شیر لانا آسان تھا۔ پطرس بخاری کی رگِ ظرافت پھڑکی انہوں نے پانی کے مٹکے بھرے اور سالک صاحب کے گھر پہنچے۔ دوسرے احباب بھی سالک صاحب کے ہاں موجود تھے۔ پطرس بخاری نے پانی کے برتن پیش کرتے ہوئے کہا کہ ”دیکھیں سالک صاحب ہم نے آپکو پانی پانی کر دیا“۔ سالک صاحب نے دوسرے مہمانوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”دیکھا آپ نے! یہاں کیسے کیسے لوگ پانی بھرتے ہیں“ پطرس بخاری کے منہ سے بے ساختہ نکلا

جائے استاد خالی است

تقسیم ملک کے بعد لوگ مختلف کام اور پیشے اپنانے لگے کہ

روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

عبدالمجید سالک اور پطرس بخاری لاہور کی ایک سڑک سے گذر رہے تھے کہ اچانک اُنکی نظر ایک چھوٹے سے بورڈ پر پڑی لکھا تھا ”شاعری سیکھنے کا سکول“ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں شاعری سیکھنے کا پروگرام بن گیا۔ اندر گئے استاد نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو دونوں نے مدعا بیان کیا۔ استاد نے کہا کہ کورس کی فیس چار آنے ہے۔ چنانچہ دونوں نے چونیاں نکالیں اور میز پر رکھ دیں۔ استاد نے کہا بیٹھ جاوٴ۔ دونوں دیگر شاگردوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ قافیہ کا درس چل رہا تھا استاد نے خوب سمجھانے کے بعد شاگردوں سے کہا کہ اچھا اب ”دیوانہ“ کا ہم قافیہ بتاوٴ۔ سالک صاحب نے ہاتھ کھڑا کیا استاد نے کہا کہ بتاوٴ۔ کہنے لگے ”پاگل“۔ استاد نے کہا کہ یہ ہم معنی تو ہے مگر ہم قافیہ نہیں۔ دیوانہ کا ہم قافیہ ہے فرزانہ مستانہ وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی مثالیں پیش کیں اور پھر پوچھا کہ سمجھ آ گئی؟ سب نے سر ہلائے استاد نے کہا کہ اچھا پھر ساغر کا ہم قافیہ بتاوٴ پطرس بخاری نے ہاتھ کھڑا کیا استاد نے کہا کہ ہاں بتاوٴ کہنے لگے ”لوٹا“ استاد کو غصّہ آ گیا دو چونیاں میز سے اُٹھا کر ان دونوں کی طرف اُچھالتے ہوئے کہا ”بھاگو یہاں سے اُجڈ گنوار کہیں کے۔ شاعری سیکھنے آ گئے اور ساغر کا ہم قافیہ بتاتے ہیں لوٹا“۔

(محمد انیس دیالگڑھی۔ جرمنی)

غیر معمولی سوال
پوپ کیا کام کرتا ہے؟

فیڈل کاسترو

پوپ

کیوبا کے 85 سالہ سابق صدر فیڈل کاسترو نے ہوانا میں ویٹی کن سٹی کے سفارت خانے میں 84 سالہ پوپ بینی ڈِکٹ سے ملاقات میں غیر معمولی سوال کر ڈالا کہ پوپ کیا کام کرتا ہے؟ پوپ نے ان کے اس سوال کا کیا جواب دیا اس کا ذکر روزنامہ جنگ کی 30 مارچ 2012ء کی اشاعت میں نہیں کیا گیا۔

دلچسپ بھی اور قابلِ فکر بھی

لندن (نیوز ڈیسک) برطانوی سکولوں کے بچے آئی فون استعمال کر سکتے ہیں اپنے جوتوں کے تسمے نہیں باندھ سکتے۔ ایک سروے کے مطابق 5 تا 13 سالہ بچوں کی 45 فیصد تعداد اپنے تسمے نہیں باندھ سکتی۔ تاہم 67 فیصد ڈی وی ڈی پلیئر چلا سکتے ہیں۔ سٹڈی کے مطابق ایک بڑی تعداد انٹرنیٹ پر جا سکتی ہے۔ کمپیوٹر گیمز کھیل سکتی ہے اور سکائی پلس جیسے سٹیلائٹ ٹیلی ویژن سروسز سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ سٹڈی کے مطابق 65 فیصد بچے چائے کا کپ نہیں بنا سکتے جبکہ 81 فیصد نقشہ نہیں پڑھ سکتے جبکہ 87 فیصد بائیسکل کا پنکچر نہیں لگا سکتے ریسرچ سے پتہ چلا ہے کہ 65 فیصد بچے ڈین بنانے کے بارے میں علم نہیں رکھتے۔ جبکہ 59 فیصد درخت پر نہیں چڑھ سکتے۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ، لندن 6 مارچ 2012ء)

سورۃ فاتحہ نہایت شاندار سورۃ ہے
دو عیسائیوں پادریوں کی رائے

عیسائی پادری سلطان پال صاحب اپنی تفسیر ”سلطان التفاسیر“ میں سورۃ فاتحہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

”سورۃ فاتحہ اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے نہایت شاندار سورۃ ہے۔ اس کے ہر جملہ سے خدا کی خدائی، اس کی عظمت اور برتری، اس کے رحم اور فضل کی عالم گسری، اس کے بندوں کی طرف سے عجز و نیازمندی، اطاعت و فرمانبرداری اور حقیقی دعا و التجا ظاہر ہوتی ہے“۔

ڈاکٹر ویری صاحب نے اپنی انگریزی تفسیر القرآن میں کیا ہی خوب لکھا ہے کہ:-

”سورۃ فاتحہ کی اس کے حقیقی مقصد کے لحاظ سے کوئی بھی مسیحی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اوّل سے آخر تک ایک مخلصانہ دعا ہے۔ جس کو مسیحانہ طور پر ادا کیا گیا ہے۔ ہر ایک شخص اس کے جواب میں آمین کہہ سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صرف آمین نہیں بلکہ اس کا ورد کر سکتا ہے اور پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بائیبل مقدس کے وہ جواہر ریزے ہیں جن کو ایک نئے طرز اور نئے اسلوب کے ساتھ ایک ہی سلک میں پرو دیا گیا ہے۔

(سلطان التفاسیر صفحہ 28)

کشمیر دُور ہے یا آسمان؟

اسی زمانہ میں جب میں فلسطین میں تھا۔ (1931ء تا 1936ء) ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ نابلس شہر کے چند سکول ماسٹر ملنے کے لئے میرے پاس کبابیر میں تشریف لائے۔ کبابیر جبل کرمل پر حیفا کے نزدیک ایک گاؤں ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارا ہی احمدی افراد پر مشتمل ہے۔ اس جگہ جماعت احمدیہ کا مرکز ہے، مسجد ہے، مدرسہ ہے اور اسی جگہ سے ماہوار رسالہ ''البشریٰ'' اس زمانہ میں جاری تھا۔ مسجد کے ساتھ میں نے ایک حجرہ بھی مبلّغ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اور جن دنوں میں کبابیر میں ہوتا تھا تو میری رہائش اسی کمرہ میں ہوتی تھی۔ نابلس کے یہ اساتذہ ملنے کے لئے اسی کمرہ میں تشریف فرما تھے اور اس وقت اس کمرہ میں چند احمدی احباب بھی موجود تھے۔ جن میں حضرت الشیخ علی القزقؓ بھی تھے۔ یہ صوفی مشرب بوڑھے احمدی تھے جو پہلے فرقہ شاذلیہ میں داخل تھے زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر بڑے دیندار اور زیرک تھے۔ نابلسی اساتذہ میں سے ایک نے جب کہ میں ابھی ان کے لئے قہوہ تیار کر رہا تھا۔ دریافت کیا کہ کیا آپ حضرت مسیحؑ کو وفات یافتہ مانتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں قرآن مجید سے یہی ثابت ہے۔ اس پر انہوں نے سادا طریق پر پوچھا کہ پھر ان کی قبر کہاں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ان کی قبر کشمیر ہندوستان میں ہے۔ اس استاد نے جھٹ سوال کر دیا کہ حضرت مسیحؑ تو فلسطین میں تھے کشمیر میں اتنی دور وہ کس طرح چلے گئے اور وہاں ان کی قبر بن گئی؟ اس سوال کا میں ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ مرحوم الشیخ علی القزق نے اسی استاد کو مخاطب کرتے ہوئے جھٹ پٹ کہہ دیا کہ یَا اُسْتَاذُ ! ھَلْ کَانَتْ بِلَادُ الْکَشْمِیرَۃِ اَبْعَدُ مِنَ السَّمَاءِ اے استاد! کیا کشمیر کا ملک آسمان سے بھی دور ہے؟ ان کی مراد یہ تھی کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا تو تسلیم کر لیتے ہیں مگر کشمیر جانے پر اس لئے تعجب کر رہے ہیں کہ وہ دور کا علاقہ ہے حالانکہ کشمیر بہرحال زمین پر ہے اور آسمان سے دور نہیں ہے۔ اس جواب کا سننا تھا کہ تمام استاد عش عش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ بہت عمدہ جواب ہے۔ ایک نے مجھے کہا کہ آپ نے احمدیوں کو خوب پڑھایا ہے۔ میں نے کہا کہ اس بارے میں میرے پڑھانے کا ذرہ بھی دخل نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروقت سکھایا گیا ہے۔ ورنہ مجھے تو خود اس بات کی طرف توجہ بھی نہ تھی۔ (حیاتِ خالد صفحہ 314)

کالج کی روایات کی حفاظت کریں

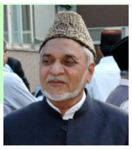

چوہدری حمیداللہ صاحب

1972ء میں سب سکولوں اور کالجوں کو حکومت نے Nationalise کر لیا۔ جس کا جماعت کو، سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کو اور طلباء کو سخت صدمہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے تعلیم الاسلام کالج نیو کیمپس میں تعلیم الاسلام کالج کے واقفین زندگی اساتذہ کا اجلاس ایک شام بلایا۔ اساتذہ کے لئے چائے کا انتظام حضورؒ کی طرف سے تھا۔ فرمایا کہ nationalisation سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصل چیز کسی ادارہ کی روایات ہوتی ہیں۔ اگر تعلیم الاسلام کالج کی روایات برقرار رہیں تو یہ سمجھیں کہ ادارہ ہمارے پاس ہی ہے۔ اور فرمایا کہ میں سب واقفین زندگی اساتذہ کی ڈیوٹی لگاتا ہوں کہ وہ کالج کی روایات کی حفاظت کریں۔ اس موقع پر حضورؒ نے خاکسار کو واقفین زندگی اساتذہ کا سیکرٹری مقرر فرمایا۔

(ماہنامہ مصباح، جون جولائی 2008ء)

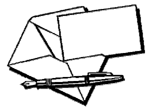

المنار نامہ

اُودھر پرواز کرو!

کچھ عرصہ ہوا مکرم عطاء المجیب راشد صاحب کی وساطت سے مہیّا ہونے والے ''المنار'' کا خوبصورت شمارہ پہلی مرتبہ دیکھنے کو ملا۔ جس میں میرے عزیز دوست اور سکول کے ہم جماعت مکرم رشید قیصرانی (مرحوم) کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ میں نے اِسے بڑے شوق اور انہماک سے پڑھا۔ اُس وقت مجھے رشید بہت یاد آیا۔ اس کے بعد سے اب تک ''المنار'' کے تمام شمارے باقاعدگی سے پڑھتا ہوں، جو میرا 13 سالہ نواسہ (حمزہ) مجھے ہر ماہ کمپیوٹر سے پرنٹ کر کے دیتا ہے۔

جنوری اور فروری کے شماروں میں تعلیم الاسلام کالج کے مرحوم اساتذہ اور گرانقدر شخصیات کے بارے میں مکرم پرویز پروازی صاحب کی دلآویز تحریر پڑھنے کو ملی۔ ان کے حرف و بیان سے ربوہ اور تعلیم الاسلام کالج کی مہک آ رہی تھی۔ گو کہ بچھڑے ہوئے ان پیاروں کی یاد میں دل اداس اور آنکھیں نمناک بھی ہوئیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کالج کے پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب چند افراد کی معیّت میں کھڑے ہوئے تھے۔ جن میں خاکسار اور مکرم پروازی صاحب بھی شامل تھے۔ موقع اور تقریب تو یاد نہیں۔ شاید پروازی صاحب کو یاد ہو کہ حضرت میاں صاحب نے انہیں کسی کام کیلئے ارشاد فرمایا تھا۔ پروازی صاحب نے جانے کیلئے قدم اُٹھائے ہی تھے کہ حضور نے دوسری سمت میں اشارہ کرتے ہوئے پنجابی میں فرمایا ''اُودھر پرواز کرو!'' اس محبوب شخصیت کا یہ جملہ مجھے آج بھی بہت پیارا لگتا ہے۔

ضمناً عرض کر دوں کہ میں تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم تو نہیں رہا۔ مگر مجھے اس عظیم تعلیمی ادارے اور اُس وقت کے ''المنار'' سے جو تعلق رہا ہے اس کے ناطے میں خود کو اس کالج کا رعائتی یا اعزازی طالب علم ضرور سمجھتا ہوں۔ وہ تعلق کیا ہے اس کا ذکر کسی آئندہ موقعے پر کروں گا۔ (حفیظ الرحمن واحد۔ ایڈنبرا)

شیزان کی بوتل

''المنار'' آیا تو کئی روز سے ہوا تھا لیکن پڑھنے کا موقع آج ملا۔ سوچا تو یہ تھا کہ ایک نظر دیکھ لوں اور پھر بعد میں اسے تسلّی سے پڑھوں گا مگر پڑھنا شروع کیا تو اتنا دلچسپ لگا کہ سارے کا سارا پڑھ کر ہی دم لیا۔ ماشاء اللہ مواد دلچسپ اور get up بہت پیارا ہے، مگر صفحات کم لگتے ہیں۔ بالکل شیزان کی بوتل کی طرح، مزہ آنے لگے تو ختم ہو جائے۔ کچھ صفحات کا اضافہ ہو جائے تو کیا ہی کہنے! ادارتی ٹیم کو مبارکباد اور ڈھیروں دعائیں۔ اگر سابقہ شمارے مل جائیں تو نوازش ہوگی۔ (سیّد مبشر احمد ایاز۔ ریسرچ سیل۔ ربوہ)

امدادِ طلبہ۔ قابلِ قدر

ایسوسی ایشن کی سالانہ تقریب میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوبصورت تصاویر سے مزیّن مارچ کا شمارہ اچھا لگا۔ یہ جان کر کہ آپ کو پاکستان کے مستحق طلباء کی امداد کے کارِ خیر میں حصہ لینے کا موقع بھی مل رہا ہے، بہت خوشی ہوئی۔ یہ قابلِ قدر کام ہے جس کے کرنے کی توفیق آپ کو مل رہی ہے۔ (سعیدہ بقاپوری۔ کینیڈا)

انسان بجلی پیدا کرنے کی طاقتور مشین

محققین امریکہ میں کی جانے والی ایک نئی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی جنبش سے بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔یونیورسٹی آف وسکنسن کی ایک ٹیم نے ''نیچر کمیونیکیشنز'' نامی جرنل میں تحریر کیا ہے کہ جوتوں میں رکھے جانے والے ایک پُرزے کے ذریعےمتحرک توانائی کوبجلی کے کرنٹ میں تبدیل کر کے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔کم توانائی استعمال کرنے والی بہت سی اشیاء (جیسے گھڑیاں وغیرہ) پہلے ہی متحرّک توانائی پر کام کرتی ہیں۔پروفیسر ٹام کا کہنا ہے کہ تیز رفتاری سے بھاگتے ہوئے انسان ایک کلوواٹ تک بجلی پیدا کرسکتا ہے۔(بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

(نوٹ:-علم سے فائدہ اٹھانے والی دنیا تو نت نئی ایجادات میں مسلسل آگے بڑھ رہی ہے مگر تیسری دنیا ہے کہ ترقیٔ معکوس اور ابتری کی دلدل سے نکل ہی نہیں پارہی۔اپنے وطن پاکستان ہی کو دیکھ لیں۔بجلی کی کمی اور لوڈشیڈنگ نے عوام الناس کی زندگی کس طرح اجیرن بنا رکھی ہے۔ذیل کی نظم، جس میں بجلی کی ابتر صورتِ حال کا نقشہ بہت خوبصورت اور جامع انداز میں کھینچا گیا ہے ،اس توقع کے ساتھ نذرِ قارئین کی جارہی ہے کہ خدا کرے کہ تعلیم الاسلام کالج کا کوئی سابق طالب علم ربوہ میں بسنے والے اپنے بھائیوں کو وِنڈ انرجی،سولرانرجی یا انسانی وحیوانی جنبش کے ذریعہ اپنی گھریلو ضروت کی بجلی خود پیدا کرنے کا سستا اور سادہ طریق متعارف کرانے میں کامیاب ہو جائے۔یہ کام کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں''ڈائینمو'' اس کی سادہ سی مثال ہے، جو بائیسکل کے لیمپ کے لئے بجلی خود جنریٹ کرتا ہے۔)

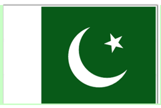

پاکستان کی بجلی

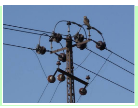

نہ امریکہ، نہ افریقہ، نہ انگلستان کی بجلی
بلادِ عرب کی ہے نہ ترکستان کی بجلی
نہ ایسی جرمنی، ہسپانیہ، ایران کی بجلی
نہ ایسی چین کی نہ روس نہ جاپان کی بجلی
زمانے نے نہ دیکھی ہوگی ایسی شان کی بجلی
ہے جیسی میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

یہ اکثر بند رہتی ہے، یہ اکثر بند ہوتی ہے
یہ پبلک کو جگا کے چین سے دن رات سوتی ہے
اندھیرے میں ڈراتی ہے، پسینے میں بھگوتی ہے
جو ملتا ہے مقدّر سے یہ وہ نایاب موتی ہے
بہت ہی شاذ ملتی ہے یہ شاہی آن کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

بہت یاروں نے پھیرے بھی لگائے واپڈا گھر کے
مگر درشن نہ ہو پائے کبھی رُوئے منوّر کے
سُنا ہے سخت آرڈر آئے ہیں اُوپر سے افسر کے
مَرے مرتی ہے پبلک کھیل ہیں اس کے مقدّر کے
یہ بند ہونے نہ پائے والا وذیشان کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

مِلا جو فون قسمت سے تو پھر یہ ہی جواب آیا
کریں کیا ہم کہ دُنیا میں ہے موسم ہی خراب آیا
ہوا ہے ضُعف بجلی کو جو گرمی پہ شباب آیا
مگر ہر ماہ بِل بجلی کا بن کر اک عذاب آیا
کٹی جاتی ہے جس سے ذہن کے وِجدان کی بجلی
ہے ایسی میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

اگر بجلی میسّر ہو کبھی ٹی وی نظر آئے
تو اس کو دیکھ کر ہو درد دِل میں آنکھ بھر آئے
کوئی اچھا ڈرامہ نہ کوئی اچھی خبر آئے
نظر حکّام کی صورت سے نہ کوئی مفر آئے
چمکتی ہے ہر ایک لحظہ نئے فرمان کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

نمازی مسجدوں میں کس قدر حیران بیٹھے ہیں
یہ روزہ دار بیچارے بہت ہلکان بیٹھے ہیں
بہت بیہوش لیٹے ہیں بہت بے جان بیٹھے ہیں
لئے ہاتھوں میں بس اک دولتِ ایمان بیٹھے ہیں
ہمیں ہر سال سہاتی ہے ہر رمضان کی بجلی
ہے ایسی میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

بہت سے لوگ اپنی جان سے بیزار بیٹھے ہیں
نہیں ہلنے کی طاقت کیا کریں بیکار بیٹھے ہیں
یہ سارے واپڈا کے سامنے لاچار بیٹھے ہیں
''بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں''
ہے اَب خطرے کی زد میں ہستیٔ انسان کی بجلی
ہے ایسی میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

مِری بچّی یہ کہتی تھی کہ امریکہ ہی چلتے ہیں
یہ سُنتے ہیں وہاں بجلی بھی ہے اے۔سی بھی چلتے ہیں
یہاں تو حال سے بے حال ہیں، گرمی میں جلتے ہیں
جو تپ جاتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
مِری جاں چُپ رہو یہ ہے انوکھی شان کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

بہت ہی لرزہ خیز و دُکھ بھری اپنی کہانی ہے
رَواں ہو آبشار ایسے پسینے کی روانی ہے
بہت نایاب بجلی ہے، بہت کمیاب پانی ہے
بہت بدحال پیری ہے، بہت خستہ جوانی ہے
بہت فقدان پانی کا، بہت بحران کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

یہاں کے پول ناقص ہیں، یہاں کا تار ناقص ہے
یہاں کا آلۂ ترسیل ہے بیکار ناقص ہے
یہاں چھوٹی، بڑی جتنی بھی ہے سرکار ناقص ہے
کریں کیا ہم ہمارا سارا کاروبار ناقص ہے
ہے میرے شہر کی تو شہر نا پُرسان کی بجلی
کہ یہ ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کی بجلی

(صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)

عظیم درسگاہ
تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی حسین یادیں

محترم ملک خالد مسعود صاحب

جب بھی کسی پرانے کلاس فیلو سے ملاقات کا اتفاق ہو تو قلبی مسرت اور دلی خوشی ہوتی ہے۔اپنائیت اور محبت کے جذبات میں ایک تموج ہوتا ہے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ سے ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

میرے ایک نہایت ہی پیارے اور مشفق دیرینہ دوست محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب مقیم جرمنی جب بھی وطن مالوف لوٹتے ہیں تو ازراہ نوازش اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود میرے لئے کچھ وقت ضرور نکالتے ہیں۔اور یوں کالج کے ساتھیوں کے تذکرہ سے تشنہ کامی کی سیرابی کا سامان بہم ہو جاتا ہے۔ہمیشہ اس کا انتظار رہتا ہے اور یہ زندگی کے جمود اور یکسانیت میں تحرک کا باعث ہوتی ہے۔گزشتہ دنوں اچانک آ نکلے حسب عادت پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔باتوں باتوں میں اولڈ بوائز کی ویب سائٹ کا ذکر ہوا۔اسے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا۔میں کہ جدید ٹیکنالوجی سے اجنبی ٹھہرا۔مطلوب کے لئے اعانت کی احتیاج لازم ٹھہری اپنے ایک بچے کے ذریعہ اس سائٹ تک رسائی پائی۔خوب لطف اندوز ہوا۔لذت و احتظاظ سے سیر کام ہوا۔کچھ تحریریں تھیں کچھ تصویریں۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

خود کلامی سے بات آگے بڑھی تصویریں بھی بولنے لگیں تو گویا ایک دفتر کھلا ایسی محفل برپا ہوئی کہ کچھ نہ پوچھئے!

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

لذت و کیف اور لطف و سرور کی کیفیت تادیر دل و دماغ پر مستولی رہی۔اس آئینہ خانے میں محو حیرت رہا ادنیٰ تغیر کے ساتھ یہ مصرعہ خوب صادق آیا ''تصویروں'' سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔

کالج کے زمانہ کی مشغولیات و مصروفیات، ہنگامہ خیزیاں اور خوش خرامیاں، رنگینیاں اور خوش مزاجیاں تبصرے اور مکالمے ایک فلم کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آگئے۔خوبرو اور دلبر اشخصیات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔

میری حالت کا نقشہ غالب کا یہ شعر کھینچتا ہے۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

قدم قدم بدلتے خوشنما مناظر، حسین یادوں کے معطّر و معنبر جھونکے، دلربا آوازوں کی بازگشت، التذاذ و اہتزاز کے عالم میں سرمست ایک وادی سے دوسری میں گھومتا رہا تھا۔فضل عمر ہوسٹل کے در و دیوار، نقش و نگار، راہداریوں اور دالانوں میں شاداں و فرحاں پھرتے ٹہلتے خوبرو نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا ابتسام و انبساط ان کے چہروں سے چھلک رہا تھا، پیشانیوں پر کامیابیوں اور کامرانیوں کی امید کی چمک، تفنن طبع سے آراستہ و پیراستہ، سجے سجائے، بہت لطف اٹھایا اور بڑا مزا پایا اسی لمحہ مجھے خیال آیا کہ ان ظاہری صُوَر کے پیچھے ایک خوب تر اور دلآویز ایک اور دنیا بھی آباد ہے۔عجیب تر تھی یہ دنیا کہ ہم ایک قبیلہ کی صورت میں ہنسی خوشی رہتے تھے۔یارانے بھی تھے دوستانے بھی۔باہم دل لگی اور چھیڑ چھاڑ بھی سنجیدگی اور متانت کے اطوار بھی۔مقصد کو اولیت و فوقیت بھی حاصل تھی اور تفریح و مشاغل بھی۔معصوم شرارتیں اور لطیف مزاح، برجستہ جملوں کا تبادلہ، چھیڑ خانیاں بھی اور علمی موشگافیاں، ایک ہما ہمی اور گہما گہمی، امنگ اور ترنگ کا امڈا ہوا سیلاب تھا۔ہر طرف زندگی رنگ بکھیرتے نظر آتی۔ان رنگوں کو مزید شوق ہونے کا سامان بھی بہم ہوتے کہ فراق و وصال کے لمحات بھی دخیل ہوتے۔ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں اور گریز اور دوریاں بھی در آتیں۔اور فاصلے بھی جنم لیتے لیکن یہ محض وقتی اور عین عارضی حالتیں ثابت ہوتیں پھر وہی رابطہ و تعلق، وہی بے تکلفی و اپنائیت، وہی قربتیں وہی چاہتیں، وہی شناسائیاں اور ان میں رعنائیاں، سب عود کر آتیں۔اس لئے کہ ایک گہرا قلبی رشتہ اور مضبوط دلی لگاؤ مستحکم بنیاد تھی۔جو عارضی کیفیات رفع ہو کر اپنی اصل حالت پر قائم ہو جاتی۔ایک حسین اور دلکش امتزاج اور توازن تھا۔سوال پیدا ہوتا ہے اس ماحول کا قیام و دوام کیسے ممکن ہوا؟

گھر جنت مقام ہوتا ہے۔جہاں محبت و پیار کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ہمدردی اور اخلاص کی فضا ہوتی ہے۔وفا اور ایثار کا جذبہ ہوتا ہے۔ماںتا کی محبت اور پدری شفقت سایہ فگن ہوتی ہے۔ان کی نیک تمنائیں اور گداز دعائیں لازم حال ہوتی ہیں۔ایک بطن سے تولد پانے والے بہن بھائی خونی رشتہ سے پیوستہ اور الفت و پیار کے بندھوں میں جڑے ہوتے ہیں۔ہر رویہ اور برتاؤ دل کی گہرائیوں سے جنم لینے والے جذبات کا عکاس اور نصوح اور خیر خواہی اور اخلاص کا ترجمان ہوتا ہے۔ایک تقدس ایک پاکیزگی غالب نظر آتی ہے۔یہ عوامل اور محرکات وحدت اور موافقت کے لئے سازگار ماحول میسر کر دیتے ہیں اور گھر گھر قرار پاجاتا ہے اس صورتحال کو سمجھنے میں تو کوئی دقت درپیش نہیں ہوتی۔

لیکن ایک دوسرا منظر نامہ ہے۔ماحول اور فضا بعینہٖ یہی۔مگر عناصر و عوامل بالکل مختلف۔جہاں اجزائے ترکیبی کچھ اور نتیجہ کچھ، اور اس مشہود و ظہور کو عقل باور کرنے میں اشکال پاتی ہے۔تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ تعلیم الاسلام کالج میں جب ہم پڑھتے تھے اس وقت فضل عمر ہوسٹل میں 400 سے زائد طلباء اقامت پذیر تھے۔یہ طلبہ اپنے گھروں سے مانوس، والدین بہن بھائیوں کی محبتوں سے دلآرام، بچپن کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کی رفاقتوں کے رسیا، تعلیم کے حصول کے نیک مقصد کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس درسگاہ میں آ جمع ہوئے۔محرومیوں سے سرگراں اور نئے ماحول کی اجنبیت سے اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا۔کچھ دیہاتی ماحول میں پروردہ اور کچھ شہری زندگی کے دلدادہ۔غربت و امارت کے نشیب و فراز۔تلخیوں اور آسائشوں کے عادی۔خاندانی روایات و طرز معاشرت کے اختلاف، عادات و طبائع میں تفریق، تربیت کے مختلف مدارج سے گزرنے والے یہ نوجوان جو غفوان شباب کے پُرخطر مراحل میں داخل تھے۔جوش و جولان، سرکشیدگی کے طغیان، اُداسی اور جدائی کے عنوان لے کر یہ بصورت ہجوم ایک چھت کے نیچے یکجا ہوگئے۔سابقہ وابستگیوں اور دلچسپیوں کو خیر باد کہہ کر محرومیاں اور رنجوریوں کے احساسات سے بوجھل کئی طور کے تفاوت و تضادات کی کشاکشوں میں الجھے ہوئے اکٹھے ہونے والے اس گروہ میں باہم انتشار اور خلفشار کا پیدا ہونا تو قرین قیاس لگتا ہے مگر ایک وحدت میں پرویا جانا یک جہتی اور یگانگت کا مظہر بن جانا بادی النظر میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔کثرت اختلاف کا تلاطم اور اشتراک کی وجوہ کم۔

لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب ہم ہوسٹل کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو اس کا ماحول گھر سے کم نہ تھا۔اپنی خوبیوں، رعنائیوں، دلچسپیوں اور دلکشیوں کے اعتبار سے بے نظیر

تھا۔اوراس کے نقوش آج تک ذہنوں پر مرتسم ہیں۔اور وہ یادیں زندگی کا عزیز ترین سرمایہ لگتی ہیں۔یوں تو ہر تعلیمی ادارے کے ہوسٹل ہوتے ہیں۔رہائش اور آرام اور بہتر معیار زندگی ہوتا ہوگا مگر ان کے مکینوں میں مواخات،مواسات،محبت ومودّت اور الفت و پیار اور ربط وارتباط کی جو کیفیات یہاں موجود تھیں وہ غالباً کسی اور جگہ پر نہ پائی جاتی ہوں۔ان متفرق اوراق کی اس سلیقہ اور احتیاط سے شیرازہ بندی کی گئی کہ یہ بظاہر سرائے ایک مکان و محبت میں مبدل تھا۔اس اقامت گاہ کو ایک خوبصورت گھر کی شکل دینے میں نجانے کتنی سوچ و بچار،منصوبہ بندی اور محنت اور عرق ریزی کی گئی ہوگی۔مگر جو ہم نے دیکھا اور پایا وہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ایسی اعلیٰ اقدار اور روایات پر یہ قائم ادارہ جو بے مثل تھا۔ہمارے نہایت ہی بزرگ اور ملک کے معروف Educationist حضرت قاضی محمد اسلم صاحب نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ CSS کے انٹرویوز میں (جس بورڈ کے وہ مستقل ممبر تھے) بعض اوقات کوئی امیدوار ہال میں داخل ہوتا تو ممبران میں سے کوئی بے اختیار کہہ اٹھتا کہ ٹی آئی کالج کا لڑکا ہے۔دوران انٹرویو اس بات کی توثیق ہو جاتی۔یہ رنگ اور یہ انداز شخصیت سازی اور اعلیٰ روایت کا کرشمہ تھا۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید

ایسا کیوں تھا؟ ہمارے اساتذہ کی توجہ اور دلسوزی تھی انہوں نے شفقت پدری کے تقاضے خوب نبھائے۔معلم کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو باحسن پورا کیا۔ہر رنگ میں اور ہر حال میں نگاہ التفات رکھی ہر آن اور ہر گام رہنمائی کا حق ادا کیا۔ہمیں ظاہری نشست و برخاست کے آداب سکھلائے۔ظاہر صفائی اور باطنی پاکیزگی کے طور طریقے سکھلائے۔ جینے کا قرینہ سمجھایا شائستگی،وقار اور متانت کے سلیقے بتائے۔ہماری تربیت کے ہر گوشہ پر توجہ رکھی کوتاہیوں،فروگزاشتوں اور لغزشوں پر متنبہ کیا اچھے اور بُرے کی تمیز سے روشناس کروایا۔سیئات کی جگہ حسنات اختیار کرنے کے ڈھنگ بتلائے اور مواقع میسر کئے۔اخلاق حسنہ کی تحریص اور ترغیب دلائی۔تحصیل علم کہ جس مقصد کے لئے ہم آئے تھے اس کی تحریض اور تحریک کا عمل جاری رکھا۔راتوں کو جاگ کر سٹڈی آورز کے نگران رہے۔امتحانوں کی پراگریس پر نگاہ رکھی۔بوقت ضرورت تادیب کی اور حسب ضرورت حوصلہ افزائی۔ہماری مشغولیات ومصروفیات،رجحانات ومیلانات پر خاموش مگر کڑی نگرانی رکھی۔دینی تربیت پر تو بطور خاص توجہ دی۔نماز باجماعت کی پابندی کروائی۔صبح اور عشاء کی نماز پر تو فرداً فرداً حاضری لی جاتی۔اور عدم حاضری کی صورت میں پرسش ہوتی۔اور ہر ماہ ہمارے والدین کو جو رپورٹ بھجوائی جاتی اس میں نماز کی حاضری کا مذکور ہوتا۔دعاؤں کے یاد کروانے کا اہتمام، بہشتی مقبرہ حاضر ہو کر دعاؤں کی تحریک،حضور کی خدمت میں دعائیہ خطوط عرض کرنے کی تاکید،صحبت صالحین کے لئے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی تعلیم،دینی معلومات میں اضافہ کے لئے امتحانات کا انعقاد۔غرضیکہ بے شمار پہلو تھے۔ہمہ جہتی اصلاح اور ترقی پیش نظر تھی،جن کو نہایت خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ پروگراموں کا حصہ بنایا گیا تھا۔

عملی میدان میں مقابلہ اور مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے کئی پروگرام تھے۔ قائدانہ صلاحیتیں بیدار کرنے کے لئے کئی سوسائٹیز قائم تھیں جن کے ہر سال انتخابات ہوتے اور عہدیداران چنے جاتے۔رائے کی اہمیت اور فضیلت کا بیان کر کے ووٹ دینے کی تاکید کی جاتی عہدیداران بڑی ذمہ داری سے سال بھر محنت کر کے اپنی اپنی تنظیم کو فعال اور متحرک رکھتے۔اور طلبہ بڑے شوق اور ذوق اور دلچسپی سے ان میں شریک ہوتے۔دنیا کے مسائل اور حالات وواقعات اور دینی موضوعات پر نامور شخصیات اور معروف علماء کی تقاریر اور خطابات کے انتظام کے لئے لٹریری سوسائٹی تھی۔انڈور گیمز کے لئے کامن روم تھا۔اس کو چلانے کے لئے کامن روم سوسائٹی تھی جو تمام متعلقہ امور کی نگرانی اور سامان کی فراہمی اور نظم وضبط اور کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کی پابندی کرواتی۔اسی طرح میس کمیٹی تھی جو میس کے تمام لوازم کا خیال رکھتی وغیرہ وغیرہ۔کئی اس طرح کے اہتمامات تھے جن کو طلبہ خود آرگنائز کرتے۔

پریفیکٹ کا نظام تھا۔جو ڈسپلن،عمومی حاضری،نمازوں کی حاضری،اوقات مطالعہ کی نگرانی،ہوسٹل سے باہر جانے کا اجازت نامہ جاری کرنا۔محترم وارڈن صاحب کی جملہ ہدایات کی تنفیذ ان کے سپرد ہوتا۔اس امر کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ پریفیکٹ کی پوری اطاعت کی جائے اس طرح امیر کی اطاعت اور نظم وضبط کی عادت ذہنوں میں نقش کی جاتی۔

بیان کے ہر دو پیرائے یعنی تحریر اور تقریر کے ملکہ کو ابھارنے اور نکھارنے اور سنوارنے کے لئے فورم تھی تا اظہار پر قدرت حاصل ہو۔خدا تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوق پر جو شرف اور فضیلت بخشی ہے اس کی نشوونما ہو۔مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متعارف کروانے اور شوق بیدار کرنے کے لئے دوران سال کئی شعبوں کے مقابلہ جات منعقد ہوتے جن میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کا انعام کا مستحق قرار دیا جاتا۔اور سالانہ فنکشن کے موقع پر یہ انعامات تقسیم ہوتے جو ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا۔

سالانہ فنکشن بھی ایک بڑی زبردست تقریب ہوتی تھی۔اسکی دلچسپی اور عظمت کا یہ ہے تھا اس میں شرکت کے اجازت نامہ کے حصول کے لئے شہر کے چیدہ چیدہ لوگ سرگرم و کوشاں ہوتے اور سفارشیں کروائی جاتیں۔اس کی بھرپور تیاری ہوتی جو پروگرام بنتے ان کی بار بار ریہرسل ہوتی مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی جاتی تا ان کی جدت اور Surprise قائم رہے۔جب فنکشن منعقد ہوتا تو اس رات کو فری نائٹ قرار دیا جاتا۔اور ہر ایک کو اظہار کی کھلی آزادی ہوتی مگر حدود وقیود کے اندر اور اخلاقیات کے تقاضوں کے عین مطابق۔طنز ومزاح، تعریف وستائش اور تنقید کے اظہار کے انوکھے اور تیکھے انداز اختیار کئے جاتے۔ان پروگراموں میں طلبہ میں جہاں اختراعی صلاحیت بیدار ہوتی وہاں مافی الضمیر اور مدعا کے ابلاغ کی استعداد بھی پیدا ہوتی۔غرضیکہ قدرت سے ودیعت شدہ استعدادوں اور صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کرنے کی ایک تدبیر ہوتی۔ان پروگراموں کی بازگشت سال بھر اور پورے ربوہ میں سنی جاتی اور اس کی تکرار میں لذت یابی کا سامان ہوتا۔ہر کردار کی تعریف ہوتی اور ہر انداز کو سراہا جاتا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی زعامت دینی اور جماعتی پروگراموں کو بڑے شوق اور انہماک اور توجہ سے جاری رکھتی۔اور ہماری مجلس ہنگامی ڈیوٹیوں میں قابل تعریف قرار پاتی اور اس کے پروگراموں میں ایک باقاعدگی اور ذوق وشوق تھا جو تسلسل سے جاری وساری رہتا۔

رفاقتوں اور رقابتوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔یہ آنکھ مچولی بھی جاری رہتی۔مگر کبھی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوتی۔کبھی مخاصمت تک نوبت نہ آتی۔نوک جھونک ہوتی۔بھول جاتی۔ایسا کیوں تا اس لئے کہ ہمارے اساتذہ کی ہر ایک پر نظر ہوتی اور وہ تراش خراش کا عمل جاری رکھتے اور قد کو بڑھانے اور خوشنمائی کے لئے اسے ضروری سمجھتے تھے اور ہر بڑھتی شاخ کی بریدگی اور سرکشیدگی کو موزوں اور معتدل بنا دیتے۔جب اسقدر اہتمامات اور انتظامات اور سہولیات اور رہنمائیاں اور نگرانیاں موجود تھیں اور موثر تھیں تو اس انتظام میں سلیقہ اور سنوار اور حسن اور خوبصورتی کیوں نہ آتی۔ہر ایک انفرادی توجہ اور دیکھ بھال کا یہ حال تھا کہ بیماری وعلالت ایسا وقت ہوتا ہے کہ مریض توجہ چاہتا ہے اور گھر والے یاد آتے ہیں۔کوئی طالب علم بیمار پڑ جاتا تو اسے سِک روم میں منتقل کر دیا جاتا جہاں آسائش وآرام ہوتا۔ادویہ اور ڈاکٹری معائنہ کا التزام ہوتا پرہیزی کھانا جاری ہو جاتا۔اگر تیماردار کی ضرورت ہوتی تو مہیا کر دیا جاتا۔اساتذہ باقاعدگی سے عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ہمدردی کے اس موقع پر کیا گیا

دلداری اور دلجوئی کا سامان نہ ہوتا۔

ایک اور حسین زاویہ اس منظر کا یہ تھا کہ ہم کسی ایک علاقے سے متعلق نہ تھے کہ معاشرت اور تمدن کا کوئی ملتا جلتا انداز رکھتے تھے۔ بلکہ ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے کوئی سندھی، کوئی پنجابی، پختون اور بلوچی ہر علاقہ کی اپنی ریت وروایت اپنے اپنے رسم ورواج، عادات وروایات۔ پسند وناپسند الگ الگ، مگر یہاں آکر ایک کلچر میں سب مدغم ہو گئے۔

مذہب زندگی پر غالب اور مضبوط اثر رکھتا ہے طلبہ کئی فرقوں اور مسلکوں کے کاربند تھے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک سال ایسا بھی آیا تھا کہ احمدی، غیر از جماعت طلبہ کے مقابلہ میں کم تھے۔ ہوسٹل کی زندگی اس اعتبار سے مثالی تھی۔ تحمل اور رواداری، مذہبی آزادی۔ ہر طالب علم اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق مذہبی رسومات اور عبادات بجالاتا، نماز کی پابندی ہر ایک پر لازم تھی۔ الگ الگ نمازیں باجماعت ادا ہوتیں۔ کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ تو درکنار کوئی منفی تاثر تک دیکھنے میں نہ آیا۔ کوئی کشیدگی یا آویزش پیدا نہ ہوتی۔ باہم شیر وشکر اکٹھے رہتے۔ غرضیکہ جو ضرورت درپیش آتی اس کو پورا کرنے کا سامان میسر ہوتا۔ اور دوسری طرف جو ذمہ داری کا تقاضہ قائم ہوتا اس کی کماحقہ پابندی طلبہ سے کروائی جاتی۔

یہ حسن انتظام و انصرام باہم ادب و احترام، پابندیوں اور آزادیوں کا خوبصورت توازن۔ اس باغ میں ہر صنوبر آزاد بھی تھا اور پابگل بھی۔ اس جگہ پر ہر دل آرام پاتا اور ہر جسم راحت محسوس کرتا اور ہر ذہن سکینت یاب ہوتا۔ ہر ایک دوسرے کا دست وبازو بن جاتا۔ ہر ایک دوسرے کا دوست ہوتا۔ محبتیں جلوہ افروز ہوتیں اور نفرتیں اور کدورتیں غائب ہوتیں۔ چنانچہ یہ منظر نامہ تھا:-

فلیتنافس المتنافسون۔

یہ ہمارے اساتذہ کرام کی ذاتی توجہ نہایت درجہ شفقت اور مہربانی کا ثمرہ تھا۔ ایک خاندان تھا جس کے سینکڑوں افراد کنبہ تھے۔ اساتذہ کی دن رات کی محنت نے ہوسٹل کو درحقیقت گھر بنا دیا تھا۔ اس کا سہرا ہمارے قابل صد افتخار وواجب الاحترام استاذی المکرّم چوہدری محمد علی صاحب دام فیوضہٗ کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی سے بھرپور، لمبی اور فعال عمر سے نوازے۔ آمین۔

یادوں کے دھارے میں بہتا میں بہت دور نکل آیا
حکایت لذیذ بود دراز تر گفتم

ایک تخلیاتی کیفیت اور اس کے بیان میں اختصار اور عدم مقدرتِ اظہار کی وجہ سے منظر کے سب رنگ ہی پھیکے پڑ گئے ہوں گے۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں یادوں کے تار کو ایک ضرب اور جنبش کی سعی ناتمام ہی ہے شاید اس ارتعاش سے ساز وآواز کا کوئی سلسلہ چل نکلے۔

پرانی تصاویر دیکھیں تو کئی پیارے وجود نظر آئے جو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے۔ خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ اکثر ہیں جن کے احوال کی خبر ہی نہیں۔ ان بچھڑنے والوں کی یاد دل کو آزردہ اور غمگین بنا دیتی ہے۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

غالبؔ نے کیا خوب کہا!

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

تابناک اعلیٰ روایت کا حال یہ تعلیمی ادارہ ظالموں اور چیرہ دستوں نے ہم سے چھین لیا۔

وہ ادارہ جس کے فارغ التحصیل اس سے اپنے نسبت قائم کر کے فخر وتفوق اور بڑائی محسوس کرتے تھے، سربلند ہو کر عملی میدان میں مسابقت ومہارت کے جوہر دکھاتے تھے۔ اب ادھر کوئی رخ کرنے کو ہی تیار وآمادہ نہیں۔ ربع صدی سے زائد کے عرصہ کے دوران ہی یہ تنزل کا شکار ہو کر اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ تعلیم وتعلّم کا سلسلہ گویا کالعدم ہو چکا ہے۔ مایہ ناز اور سرمایہ افتخار اساتذہ جو گدڑیوں میں لعل تھے ناپید ہوئے اور ان کی جگہ تنخواہ دار چند ملازمین نظر آتے ہیں۔ جن کو نہ تدریس کا شوق اور جنون اور پڑھنے والوں کو حصول علم سے غرض نہیں۔ حکومتی بے رعنائیوں اور تحکمانہ لاپرواہیوں نے جلتی پر تیل کا کام دکھایا۔ بربادی اور تباہی چاروں طرف سے محیط ہو چکی ہے۔ چند سال ہوئے بلڈنگ کے محکمہ نے اسے ناقابل استعمال قرار دے کر خالی کرنے کا حکم صادر کر دیا ہوا ہے۔ یہ سرسبز وشاداب باغ ویرانہ میں بدل چکا ہے اور خوشنما اور خوبصورت روئیدگیوں کی جگہ جھاڑیوں اور سرکنڈے نظر آتے ہیں۔ حیف صد حیف کہ رونقوں سے معمور، زندگی سے بھرپور، زندہ اور زندگی بخش۔ علم وآگہی کا یہ گہوارہ، معروف دانشکدہ اس حال میں ہے کہ اتفاق سے ادھر کا گزر ہو تو بے اختیار رخ دوسرے طرف پھر جاتا ہے کہ یہ منظر دیکھا نہ جائے ہے۔ سناٹا ہے، خامشی ہے، ہر نقش فریادی، ہر صورت کاغذی پیراہن پہنے مجسم سوال نظر آتی ہے۔

لئے پھرتے ہو سوالوں کی صلیبیں طارق
کر گئے کوچ سبھی لوگ خوابوں جیسے

اس خستہ سامانی اور بدحالی کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دل سے ٹیس اٹھتی ہے!

کچھ بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس زبان کا کوئی چارہ نہیں اور اس غم کے بیان کا یارا نہیں!

تھی داستاں دراز بھی اور دلگداز بھی
لیکن کہاں ہے دل کہ دیا جائے اس کو طول

مجھے یقین ہے کہ اس تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھنے والے اللہ کے بندے اور اس کے محبوب حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ کو لاج ہے جس نے اس ادارے کو تعلیم الاسلام کا نام دیا اور جو مقاصد اور مطمح نظر مقرر فرمایا وہ اسی نام سے احیائے نو پائے گا جس طرح پہلے یہ ادارہ علم ودانش اور معرفت وآگہی کا گہوارہ ثابت ہوا تھا اور آسمان علم کا روشن ستارہ بن کر ابھرا تھا۔ پھر آب وتاب اور چمک دمک دکھلائے گا۔ روشنی کا مینار اور علم وعمل جو اس کا ماٹو ہے کا شاندار مظہر ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

غالباً 1996ء کی بات ہے کہ حکومت نے قومیانے جانے والے تعلیمی اداروں کو اُن کے ٹرسٹیز کو واپس کرنے کا اعلان کیا تھا اور چند شرائط اور خطیر رقم جمع کروانے سے مشروط کیا۔ جماعت نے فوراً کیس تیار کر کے اور مقررہ رقم جمع کروا کر تمام شرائط پوری کر دی تھیں۔ تب سے یہ کیس ارباب بست وکشاد کے فیصلہ کا منتظر ہے۔ اس دوران حکومتیں آئیں اور گئیں۔ بے شمار رابطے ہوئے مگر کسی کو ہمت وتوفیق نہیں ہوئی۔ ہم تو قادر ومقتدر اور عزیز وقدیر رب کے فضل کے منتظر ہیں۔ تقدیر تدبیر کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ دعا کے ساتھ مقدور بھر کوشش بھی شرط ہے۔ اگر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھی اس تدبیر اور کوشش میں کسی طور سے شریک کار ہو تو اس کی خوش نصیبی ہوگی۔

(ماہنامہ انصاراللہ صفحہ 20 تا 27، اکتوبر 2011ء)